جاوید انور

برزخ کے پھول



برزخ کے پھول

جاوید انور کے دیگر شعری مجموعے

- شہر میں شام 1991
- اشکوں میں دھنک 1994
- بھیڑیے سوئے نہیں 2009

برزخ کے پھُول

جاوید انور

القا پبلیکیشنز
ریڈنگز کا اشاعتی ادارہ
لاہور

اشاعتِ اول
اِلقا پبلیکیشنز 2016

'اِلقا پبلیکیشنز' اور 'ریڈنگز' الان وتال پرائیویٹ لمیٹڈ کے ذیلی ادارے ہیں۔

انٹرنیشنل سٹینڈرڈ بک نمبر (ISBN)
978-9-69-947349-4

سرورق: فاطمہ سعید

خطاطی: نوری نستعلیق

طباعت
وارث پرنٹرز، سوہل سنگھ سٹریٹ، گوالمنڈی، لاہور

اِلقا پبلیکیشنز

K-12، مین بلیوارڈ، گلبرگ 2، لاہور 54660
پاکستان

فون: 7877 3575 42 92
فیکس: 5576 3575 42 92
publications@readings.com.pk
www.readings.com.pk

فہرست

سبق یاد کیا کرو

سانپ اور نیولے کی لڑائی تمھارے اندر بھی ہو سکتی ہے
جیسے درخت بیج میں سوئے ہوئے سپنے کا عکس بھی ہو سکتا ہے

وقت اربوں کی طاقت کھربوں میں گزر چکا ہے
(رہا ہے)
مگر لمحے کے طول و عرض اور گہرائی کا حساب کتاب
الجبرے اور جیومیٹری کے ہر نصاب سے باہر ہی رہنا تھا
(ہے)

کرونس ۔۔۔۔!

سوچو،

زیوس کی ماں نے زیوس کے باپ کے ساتھ کیا کیا

دُنیا بے شمار خداؤں

ان گنت خدایوں

خدمت گاروں اور گارنوں

ہیرووں اور پروہتوں وغیرہ سے بچ نہ جاتی

اور کرونس کو وقت کا عمود کہا جاتا ہے

کیوں؟

مظفر علی سیّد........!

مگر مظفر علی سیّد تو کٹھ پتلیوں کے اس کھیل سے رہا ہو چکے ہیں

(کیا وہ وہاں بھی فالتو آدمی نہ بن سکا.........

انتظار حسین)

کرونس،

وہ تو خداؤں کے خدا کا باپ تھا

تم کیا ہو؟

سانپ، نیولا، گیدڑ، بھیڑیا، چیتا اور شیر کی دھاڑ

کی آواز

جو بہری اور اندھی روحوں کو لرزا دے
باہر سے نہیں آیا کرتی

باگھ
دمہ
اور ایسے ہی بے شمار سوال
اور کئی گنا زیادہ جواب
لیکن کم
بہت ہی کم
ناں ہونے کے برابر
زیرو اعشاریہ زیرو زیرو زیرو
زیرو سم تھنگ

اپنا سبق یاد کیا کرو
تمھیں پہلے بھی کئی بار کہا ہے!

اصلِ صداقت

اصلِ صداقت

منڈی کی قدریں

کرنسی کے بھاؤ

سچ، جس کا حجروں میں چرچا

خداؤں کے میلوں کی مستی

ٹرائے

فلسطین

ہیرو کے مُردے کی موت

اصلِ صداقت

ہیرو کے مُردے کی موت

قبروں پہ بنتے مکان

دونوں میں تیسرا وہ

"نفلوں کی نیّتیں کر
الحاج بن کہ منشی
بے شک، اگر تو خوش ہے
سیندھیں لگا گھروں میں
انگلی کو استرا کر
جیبیں کتر، ہنرور
یا بے ہنر، یہ تیری
اپنی رضا ہے پیارے!"

شاموں میں شام تھی وہ
قبروں کے نام تھی وہ
قبروں کے کچھ مجاور
کچھ دور کے مسافر

مَیں اور آپ دونوں
دونوں میں تیسرا، وہ
کچھ دیر چپ رہا، پھر
بولا: ’’مگر یہ دُنیا
_______________!‘‘

بولا: ’’اگر یہ دُنیا
ہم کو نہ کچھ کہے تو
ہم بھی اسے نہ چھیڑیں!‘‘

قصیدۂ بہار

سرخیاں، پاؤڈر، حنا، کاجل
رنگ تو تب لبوں پہ آئے گا
جب رگوں میں تپش کی حد بندی
ریشے ریشے کو شعلہ در شعلہ
ناگ کر دے گی اور زہریلی
خوشبوؤں کے حصار میں لے کر
آتشیں پتیوں کا ریشمی لمس
اپنی دہشت میں گم ستارے کو
بوسہ بوسہ ہلاک کر دے گا!

گونج کو انت نہیں

درد کے نام بہت
درد بے نام بھی ہے
زخم کے رنگ بہت
زخم بے رنگ بھی ہے
باغ میں پھول بھی ہیں
باغ میں دھوپ نہیں

✧

آنکھ میں دھول بھی ہے
آنکھ میں پھول بھی تھے
کوئلیں کوک چکیں

راستے سوئے نہیں
شہر ویران بہت

✧

آنکھ حیران بہت
آنکھ سے آنکھ ملی
آنکھ نے کچھ نہ کہا
آنکھ نے کچھ نہ سنا
دید کی بات نہ کی

✧

جیت جو مات نہ کی
جیت کر مات رہی
خامشی کوہِ گراں
گونج کو انت نہیں
سسکیاں، باگھ، دمہ
بھیڑیے روئے بہت!

اندھیرے کا پتھر

اندھیرے کا پتھر
اندھیرے کے پتھر کے پیچھے اُدھر غار میں اک ستارے کا گھر
ستارے کے گھر میں مسافر ہوں مَیں
مرے پاؤں میں آسمانوں کا زینہ، جو ٹوٹا ہوا ہے
خدا کی قسم
خدا پھول ہے روشنی کا تو اس پھول پر یہ اندھیرے کا پتھر بھی ہم نے رکھا ہے

ایک نوحہ

اگر آپ زندہ بھی ہوتے تو کیا تھا
یہی ناں کہ ہم آپ سے ملنے آتے
بتاتے
کہ ہم اپنی تنہائی کے آسماں پر ستارے بناتے ہیں
اور ان ستاروں میں جو سب سے روشن ستارہ ہے وہ آپ ہیں

آپ تھے
تو ہمیں اتنی فرصت کہاں تھی کہ ہم آپ سے ملنے آتے
بتاتے
کہ ہم آپ کو کس قدر چاہتے ہیں

اور اب آپ زندہ نہیں ہیں

تو ہم چاہتے ہیں کہ ہم آپ سے ملنے آتے

بتاتے

کہ ہم آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں!

ایک پُرسہ

بولتے بولتے رک جاتا تھا
ڈولتے ڈولتے تھم جاتا تھا
کچھ کہتا تھا، کیا کہتا تھا
کن سپنوں میں، کیا کرتا تھا
کیوں کرتا تھا
میری خاطر کیوں جیتا تھا
تیری خاطر کیوں مرتا تھا
کس سے پوچھیں
تیرے رستے تیرے گھر تک
میرے رستے میرے گھر تک
ملنا تو اُس سے ملنا تھا
اب یہ آگ نہیں بجھنے کی
آنسو آنکھ میں لاتی کیوں ہو

دو گیانی

روتے، پیٹے
ہنستے، کھیلتے
لڑتے، جھگڑتے
پینڈا پورا کر آئے ہیں
اور اب اپنی اپنی چھاؤں میں
کرسی کرسی پڑے ہوئے ہیں
جان چکے ہیں
میز پہ رکھی
عینک اور اخبار کا رشتہ
ہوا کا جھونکا آنے تک ہے

بدلہ

آپ مر چکے ہیں

آپ میرے اندر
اک سفید پتھر
پر لکھا ہوا اک
نام بن چکے ہیں

پھول چننے والا
خون کر چکا ہے

تین چار آنسو
جن پہ وہ خدا تھا

ریتلی رگوں میں
جذب ہو چکے ہیں

ایذرا پاؤنڈ کے نام

باہر
بوڑھی کتیا
لش لش گرم جوان لہو سے
استنجا کرتی ہے،
اندر
ہم تم
مری ہوئی وینس کے
بُت کے
پستانوں کو لشکانے میں جتے ہوئے ہیں!

خیال خواب اندیش

کون ہوں مَیں، کہاں ہوں مَیں
مجھ کو کوئی پتہ نہیں

چاند ہوں یا کہ چیتھڑا
دُھوپ کا جس کو دوپہر
بُھول گئی ہے سرمئی
شام کی اک منڈیر پر

تین ہزار سال سے
تین ہزار بھیڑیے
نوچ رہے ہیں رات دِن
میرے بدن سے بوٹیاں

جانے وہ کون آگ ہے
جس میں دہک رہا ہوں مَیں
جانے وہ کون باغ ہے
جس میں مہک رہا ہوں مَیں

جانے وہ کون خواب تھا
جس نے مجھے بھلا دیا
جانے وہ کیا شراب تھی
جس نے مجھے گنوا دیا

نورِ سرورِ بے بہا
ہوں جو شراب میں نہیں
تین ہزار سال سے
مَیں کسی خواب میں نہیں

مجھ کو کوئی پتہ نہیں
کون ہوں مَیں کہاں ہوں مَیں
لیٹا ہوا ہوں گھاس پر
دیکھ رہا ہوں آسماں

وہ

اس کے اندر بھی جنگل تھا
جنگلی پھُول تھے
کانٹے اور درندے تھے
اور
کویل بھی تھی!

تنہا بوسہ

سارنگی روتی ہے
آدھی رات کو
دُور کہیں پر!

بوسہ تنہا رہ جائے تو
شعلہ بن جاتا ہے!

سارنگی روتی ہے!!

پہلی بات

بہتے ہوئے پانی میں دو پھول
خوش خط تحریر
اور کمرے میں داخل ہوتی ہوئی اجنبی لڑکی
وقت یونہی گزرتا رہا
وہ ایک کونے میں بیٹھی ہوئی تھی
پھول ہر کونے کھدرے میں کھل رہے تھے
شام ہو رہی ہے
سلگتے ہوئے ہونٹوں سے دل پر لکھا ہوا نام
روشن رہے گا
اندھیرے اب گھٹاٹوپ نہیں ہو سکتے!

چیتا

ٹہنی ٹہنی گدھ بیٹھے ہیں،
پل پل گھور رہی ہیں آنکھیں،
چیتے کی،
دن رات،
جنگل بے لفظی کا،
سائے،
بھوت بھی ہیں، ڈھالیں بھی،
کاغذ،
خاموشی کی کالک،
بالک،
پچھلے سال خزاں کے دِن تھے،
دروازے میں کِھلنے والی،

پھول سی لڑکی،

دیواروں کا گھاؤ بن جاتی ہے،

چاپیں،

ہولے ہولے،

سکتے کی وادی میں سکتہ
بن کر کھلتی

ہجر کی کلیاں،

ٹہنی ٹہنی گدھ بیٹھے ہیں،

دریا صدیوں پیچھے،

بھکشو،

پیاسی آنکھ میں جل مر جاتے،
کون گرو کی دھن میں اپنا
رستہ کھوٹا کر آئے ہو!

ٹھیک ہی ہوا

ٹھیک ہی ہوا
جو ہواؤں نے کہا........جو خوشبوئیں
سمندروں کے اُس طرف سے آئی تھیں
وہ چودھویں کا چاند تھیں
بس ایک رات
وہ سمندروں کے اُس طرف کا خواب تھیں
چلی گئیں

ٹھیک ہی ہوا
تم گئی بہار کا
گلاب ہاتھ میں لیے
سمندروں کے آس پاس نظم ڈھونڈتے رہو
خواب دیکھتے رہو

تجھے یاد کیا جائے

اک بات کہی جائے
اک نظم لکھی جائے
اک خوشبو پھول بنے
اس بھیگی ٹہنی پر
اس رات کے جنگل میں
اک جگنو چاند بنے
جیسے چوم لیا جائے
تجھے یاد کیا جائے

گلاب

اس بوسے کے ساتھ
تری زباں نے مری زباں پر
ایک گلاب اگایا
جس کی جڑیں
مرے دل میں!

....پت جھڑ کے دِن تھے
بے انت فلک
میں دراڑ پڑی اور سورج
سونا ہی سونا
جیون کا
لش لش میناروں پر!

گرمی،

سوکھے کی رت آئی

گئے دنوں کا خواب،

گلاب،

کھلا گیا مری آنکھوں میں

ننھی سی

دو کلیاں

درد کی!

ترجمہ: خوان رامون خیمینیز

وصال

اے عورت،
مجھے صبح سویرے
تیرے لبوں سے
دُنیا بوسہ دے!

ترجمہ: خوان رامون خیمینیز

اور پھر

روز و شب کی بنی ہوئی
یہ بُھول بھلیاں
غائب ہو جاتی ہیں

(بس اِک صحرا
رہ جاتا ہے)

خواہش کا سرچشمہ
دِل بھی
غائب ہو جاتا ہے

(بس اک صحرا
رہ جاتا ہے)

نئی نویلی سحر کے دھوکے

بوسے

غائب ہو جاتے ہیں

بس اک صحرا

رہ جاتا ہے

لہراتا

بل کھاتا صحرا

لورکا......جاوید انور

لوسالومے

(لوسالومے بیس اکیس سال کی ایک دلبر دوشیزہ تھی، جب اس کا تعارف اٹھتیس، انتالیس سالہ پروفیسر یا ریٹائرڈ پروفیسر فریدرک نطشے سے ہوا، نطشے اور لو کے ایک مشترکہ دوست اور فلسفی پاول رے کی وساطت سے۔ بات جلد ہی دوستی کی حدوں سے آگے بڑھ گئی۔ لو کی تجویز پر ایک مثلث دوستی کی بنا ڈالی گئی۔ انجام وہی ہوا جو ہونا تھا، نطشے کو رقابت لاحق ہوگئی! اس مثلث دور کی ایک یادگار ایک تصویر ہے، جس میں ایک بیل گاڑی میں بیلوں کی جگہ نطشے اور رے کھڑے ہیں اور بیل گاڑی پر لو کھڑی ہے، چابک لہراتے ہوے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب کچھ ہی عرصہ بعد نطشے اپنی مشہور کتاب ''تو زرتشت بولا'' لکھنے جا رہے تھے... سپر مین! نظم کے دونوں کرداروں کی اٹھان مشہور امریکی نفسیات دان طبیب اور کہانی گو اروِن ڈی یالوم کی ناول ''اور نطشے رویا'' سے ہوتی ہے اور اس نظم میں کچھ حوالے درج بالا دونوں کتابوں سے آئے ہیں۔ نظم کا دوسرا کینٹو ایذرا پاونڈ کی ایک پیاری اور چلبلی نظم ''چینو'' سے ماخوذ ہے اور نظم کے چار مصرعے چینو کے تین مصرعوں کا شعری ترجمہ یا تخلیق نو ہیں۔ نظم میری نظم ہے اور نظم کے کردار اِس نظم کے کردار ہیں... شاعر)

1

ہوسکتا ہے
دونوں ہی سچے ہوں
لو بھی
اور نطشے بھی

اس چوٹی پر ڈھلتے سورج
اور ساحل پر بوسہ بوسہ
طغیانی کا قصہ
کس کو کتنا یاد رہے گا
کون گواہی دے گا
اے سورج، اے شہد کے چھتے
کون گواہی دے گا تیری

چلنا

مَیں سے تُو تک تنی ہوئی رسی پر چلنا
رُک رُک چلنا
مڑ مڑ دیکھنا
ڈولنا
لحظہ بھر کو رُکنا
چلنا
نطشے
وقت پہ مرنا کیا ہے
یعنی
وقت پہ جینا کیا ہے

کیا ہے
جس کی رکھوالی میں
تیری نس نس تنی ہوئی ہے

(''لو خط ہی نہیں لکھتی!'')

لو جینا جانتی ہے
لو زندہ رہتی ہے

2

تُو زندہ رہتی ہے

تُو جب جب چلتی ہے
دِل دھک دھک کرتا ہے
تُو زخم لگاتی ہے
تُو مرہم بنتی ہے

دن گزرا جاتا ہے
بنجارہ گاتا ہے

''مَیں تین زمانوں میں
گا آیا ہوں تتلی کو
سب ایک سی ہوتی ہیں''

سب پیاری لگتی ہیں!
سب مہماں ہوتی ہیں،
خود آ آ کر دِل میں!
سب مر مر جاتی ہیں!

''تری آنکھیں سپنوں سی
ترے بول، تری تانیں
ترے ہونٹ ترے شانے
مَیں مر مر جاتی ہوں''

''سب مر مر جاتی ہیں''

بنجارہ گاتا ہے

''سب سپنے دیکھتی ہیں
سب تارے مانگتی ہیں
سب ایک سی ہوتی ہیں
مَیں سورج گاؤں گا''

3

''کچھ ناں دے، انھیں کچھ ناں دے''

بابا بولا،

''لے لے

لے جو کچھ لے سکتا ہے ان سے لے لے،

ان کا بوجھ بٹا

مت جا اس بستی کی جانب

مت دے اپنی خبر کی بھیک،

خدا کا نام لے''

یہ خبطی پیر ولی!

اسے خبر نہ ہو پائی

وہ جس کے ہاتھ لگا مَیں

وہ جس کے ہاتھ میں چابک تھا، وہ
خواب ازل تھا
خواب ابد ہے

مَیں سورج، مَیں شہد کا چھتا
صدیوں کا رس
ٹپ ٹپ
ٹپک رہا ہے میرے اندر
مَیں لمحوں کا بھانبھڑ

دس سال سے
دس سال سے نقطے جوڑ رہا ہوں
تنہائی کی سب سے اونچی
سب سے تنہا
چوٹی پر بیٹھا ہوں
تارے توڑ رہا ہوں
تمھیں دینے آؤں گا

4

اے بندر کے کرتب دیکھتے لوگو

سوچو

کیا ہو

ایک چھلانگ ہو

چوپائے سے دوپائے تک

دیکھو

غور سے دیکھو، آگے

اس ٹیلے پر کھڑا ہوا ہوں

وہ، جو تم کو دیکھ رہا ہوں

جیسے

تم بندر کو دیکھ رہے ہو

دیکھو،

مَیں آیا ہوں!

5

وہ آیا ہے
وہ تصویر میں کھڑا ہوا ہے،
بیل نہیں ہے،
تیرے ہاتھ میں چابک،
لو، تیرے ہاتھ میں چابک ہے
تو خط ہی نہیں لکھتی!

مَیں، مَیں پروا
مَیں بادِ صبا، مَیں صرصر
مَیں پھول نہیں ہوں تیرا، مَیں اک تتلی ہوں
مَیں تجھ تک آئی تھی
خود اڑ کر آئی تھی

مَیں جانا چاہتی ہوں
مَیں آؤں جاؤں گی

مَیں سورج گاؤں گا
بنجارہ گاتا ہے
بنجارہ بابا ہے
جو تنہا رہتا ہے
جنگل میں رہتا ہے
بنجارہ جنگل ہے

جب جنگل گاتا ہے
تو مور مہکتے ہیں
اور پھول چہکتے ہیں
اور تتلی گاتی ہے

غزل

آپ کہتے ہیں تو ہم موجود ہیں
یعنی اپنے راستے مسدود ہیں

کچھ نہیں، افلاک ہیں حدِ نظر
کس قدر پھیلے ہوے محدود ہیں

آتشِ بے انتہا، برباد شد
چوب گل بردار تھے ہم دود ہیں

ہم ترا انعام تھے، شہرِ زیاں
جو سراسر سود تھے بے سود ہیں

گریۂ صبح سفر، بے نور کرد
فارسی میں دیر آید زود ہیں

غزل

لا مطلوب اور لا معلوم
سب معلوم ہے نا معلوم

علم علوم کا ڈنکا یعنی
لا موجود، خدا معلوم

شہر تو اپنا آپ خدا ہے
یعنی شہر کو کیا معلوم

ہم کو کیا، ہم جانتے ہیں
نا معلوم ہو یا معلوم

رستہ کھویا، منزل پائی
منزل گُم، رستہ معلوم

ایک ہمیں کو خبر نہ تھی
سارے جگ کو تھا معلوم

غزل

نہ یہاں ہوں مَیں، نہ وہاں ہوں مَیں
جو کہیں نہیں تو کہاں ہوں مَیں

جسے ڈھونڈتا ہوں یہاں وہاں
وہ وہیں نہیں ہے جہاں ہوں مَیں

مرے سائے میں تری چوٹیاں
تری وادیوں میں رواں ہوں مَیں

مری دُھوپ ڈھلتے ہی تُو بھی شب
تُو جوان ہے جو جواں ہوں مَیں

تجھے خواب بھیجوں گا رات بھر
تُو جہاں رہے گا وہاں ہوں مَیں

مَیں کہ بے نشان ہوں دہر میں
کسی بے نشاں کا نشاں ہوں مَیں

نہ میں بعدِ فجر کا خواب ہوں
نہ تہجدوں کی اذاں ہوں مَیں

کنڈ بوہڑ میں پیدا ہوتے

کنڈ بوہڑ میں پیدا ہوتے
کنڈ بوہڑ میں رہتے
گدھے چراتے
گھوڑے بیچتے
کُتے کھسی کرتے
رات آتی تو
روٹی کھاتے
جفتی کرتے
لمبی تان کے سوتے
کنڈ بوہڑ میں پیدا ہوتے

برزخ کے پھُول

عرف

شیزوفرینیا

ایک ہاتھ کی تین انگلیاں کٹی ہوئی تھیں
شکل تو بھول چکی ہے

نام یاد ہے
علم دین تھا
علم دین کے چاروں جانب علم دین ہی علم دین تھا
خط لکھتا رہتا تھا
علم دین کے خط ہیں

پتہ پتہ
اور خزاں ہے!

☆

کتنے اچھے دِن تھے
پھول کھلا کرتے تھے
چاند چڑھا کرتا تھا
سانپ نشہ کرتے تھے
پروائی کا!

✧

دیکھا،
پُل پر دریا چڑھ آیا ہے
مَیں محتاط تھا، پلٹ گیا، اور
دیکھا:
تیرہ چودہ سال کا اک لڑکا ہے،
اپنے آپ میں گُم صُم،
سر کو جھکائے،
اُس جانب کی دائیں سمت سے
اِس جانب کی بائیں سمت چلا آتا ہے۔

پُل پر دریا،
پُل کا جنگلا غائب،
اور مَیں گونگا،
لڑکا خود میں گُم صُم،
مَیں نے سطحِ آب پہ ہاتھوں کو لہراتے دیکھا!

✧

چرچ میں دیکھی لاش کا بُھوت،
دماغ میں دائیں جانب
مادرزاد فرشتہ!
اور سینے میں بائیں جانب
پسلی پسلی سر ٹکراتا،
وحشی اور نابینا،
سگِ گرسنہ!

شہزادی،
تم کن محلوں کے، کن کمروں میں، کن نرسوں سے

کب تک
اپنا آپ چھپا پاؤ گی؟
یہ ہلڈول یہ ڈائزی پام تمھاری شام ہیں
شام،
جو صبح سویرے اپنا سفر آغاز کیا کرتی ہے!

✧

یوں لگتا ہے،
جیسے سب کچھ ہونے سے پہلے ہی ہو جاتا ہے۔
سچ سچ کہنا،
بستر پر مفلوج سفر کے تیس برس کا سپنا،
کن نیندوں سے، کب ٹوٹا تھا؟

✧

آؤ
وہ دروازہ کھولیں

جس کے پیچھے ہم ہیں!

✧

کیا وہ مَیں تھی؟
یا وہ، وہ تھا؟
سات برس کی عمر میں مَیں نے،
مُٹھی بھر سورج میں سمٹی،
وحشی شب کی جھلکی،
دیکھی!
کیا وہ مَیں تھی جِس کے زیرِ ناف چھپی تھی
سِسکی،

لذّت کی،
یا
سانپ تھا،

اور پُروائی۔۔۔!
تازہ تازہ

زخم کا نشہ،

(کبھی چکھا ہے؟)

گرم لہو کی خوشبو!

سترہ گولیاں نیند کی،

اور بھیڑیا،

لال لال آنکھیں ہیں اس کی،

سُرخ کوئلے جیسی،

دروازے میں کھڑا ہوا تھا،

جب مَیں

چیخی،

آج رات کو۔

ڈاکٹر صاب،

نرسیں

مُجھے چڑیلیں لگتی ہیں اور آپ کے کندھوں
پر کبھی کبھی

کسی سوٗر کا چہرہ ہوتا ہے!

✧

تین لڑکیاں،

تین جزیرے،

تین زمانوں میں اِک آدھا روشن تارہ،

آدھے گھر میں رات،

آدمی،

برزخ۔

✧

علم دین خاموش رہا کرتا تھا،
علم دین کے گھر میں
بھُوت رہا کرتے تھے،

جنگل،
علم دین کے سر میں،
وہ جنگل میں تنہا،

رستہ

بھُولا ہوا شہزادہ!

✧

ہم برزخ کے شہری،

ہمیں خدا سے بیر نہیں تھا،

سورج اپنا دوست بنا تو رات بھی آئی،،

بنی ٹھنی،

ہونٹوں پہ سُرخی،

آنکھ میں شعلے،

ناف کے نیچے جنت!

ہم نے

نہر میں بہتا شہد بھی چکھا

روشن رکھا

جنت کا سورج بھی

آگ چُرا کر

دوزخ سے۔۔۔۔ہم

برزخ کے شہری ہیں

✧

سچ کے سائے،

سایوں کا سچ،

علم دین کے کمرے میں جو علم دین کا گھر تھا،

جس میں دیا نہیں تھا،

دیا جلانے آئے۔

بوسہ۔۔۔

جس کی تپش سے،

لش لش کالا پتھر پگھلا،

بوسہ،

جس نے،

دھڑ دھڑ بہتا دھارا روکا،

لحظہ بھر کو،

صدیاں،

شوقِ دید میں

پتھر،

بوسہ ریگِ رواں ہے!

ہجر کا حجرِ اسود،

ندیا،

اندھا پانی،

کالی رات سے کالا پانی،

علم دین ہے،

ٹَپ ٹَپ گِرتا

تازہ سُرخ لہو ہے،

وقت،

بہے جاتا ہے،

اپنے پُورے زور سے،

ٹھہرا،

مادرزاد فرشتہ،

سَکتہ،

دماغ کے دائیں نصف کرے میں،

بِگ بینگ کی آہٹ۔۔!

✧

وہ ہے۔۔۔۔!

اُس کی گُونج ہے، پاگل خانے کے دوزخ میں،
گُونج رہی ہے:

''مَیں ہوں،
اور اسامہ بن لاڈن اِز گوڈ۔۔
_______________''

یہ ہے،
برزخ بُھگت چکی ہے،
کہہ دے،
اللہ الصمد!

✧

رات روشنی۔۔۔۔!
رات تہی مہتاب، تہی چراغ ہے،
رات روشنی،

تیز ہوا ہے،
جنگل،

لشکر،

لٹے پٹے شہزادے کا،

شہزادی

اپنے خیمے اندر،

اپنے آپ سے باتیں کرتی،

تنہا،

خواہش،

اپنے آپ کو چیر پھاڑ لینے کی،

سِسکی،

کیا وہ مَیں تھی؟

✧

پُل پر پانی،

تُو ہے،

علم دین اُس پار بھی تُو ہے،

اُس وادی میں،

اُن قبروں کے آس پاس بھی تُو ہے،
گُم صُم!

✧

کرنا کیا ہے؟
ہونا کیا ہے؟
کالا پتھر دریا۔

✧

رات روشنی علم دین کے گھر میں،
علم دین کے خط ہیں،

باہر،
پتہ پتہ،
اندر،
علم دین ہے تنہا،

بابا،

آگ سے وصل منا،

تُجھ پر

جنت کے دروازے بند ہیں،

بوسہ بوسہ

دوزخ ٹھنڈے کر،

پتھر،

ندیا بن !

مورے تو گردھر گوپال

رستوں میں چاندی کے جال
صحنوں میں سونے کے کیل
چمپا سے گوری کے پیر

چھالوں کے جنگل کے پار
اور تو نہ کوئی
مورے تو گردھر گوپال
دوسرو نہ کوئی

بھوتوں چڑیلوں کا راج
بادل بھی بُوٹے بھی شیر
اوپر سے بجلی کی مار

پنڈے میں پتیم کی گھات
دیکھ لو نہ کوئی
مورے تو گردھر گوپال
دوسرو نہ کوئی

برگد سے برگد کے بھید
کویل سی کویل کی کوک
صدیوں کے صحرا کے بیچ

پیاسے شریروں کی پیاس
اور ہو نہ کوئی
مورے تو گردھر گوپال
دوسرو نہ کوئی

چھالوں کے جنگل کے پار
پنڈے میں پتیم کی گھات
پیاسے شریروں کی پیاس

نس نس میں شعلوں کے پھول
توڑ لو نہ کوئی
مورے تو گردھر گوپال
دوسرو نہ کوئی

(مورے تو گردھر گوپال دوسرو نہ کوئی۔۔۔میرابائی)

دو شاخوں پر کھلا ہوا اک پھُول

تیرا کھلنا
صبح سویرے سورج جیسا
تیری کرنیں
دونوں نصف کروں پر
تیری خوشبو
آدھی رات کے اس جانب بھی
اُس جانب بھی

رستے اچھے ہوتے ہیں

کہو، رستے اچھے ہوتے ہیں

راہی

چلتے چلتے

اِک دوپہر کو

کسی ستارے، کسی شجر کو

اپنا محرم کر لیتے ہیں

راز افشا نہیں ہوتا

دِل سے بوجھ اُتر جاتا ہے!

راگ درباری

پرندے کی آنکھوں میں حیرت نہیں تھی،
جزیرے پہ تنہا خدا تھا،
کہ مَیں تھا،
اندھیرے کی موجوں کی زد میں،
لہو کا طلاطم تھا، شریانِ اعظم میں،
چنگاریاں تھیں،
کہ آنکھیں،
پرندے کی آنکھیں،
محبت کی شہنائی
سے بھینے بھینے ٹپکتے ہوئے خُون کی لے،
پرندے کی آنکھوں میں حیرت نہیں ہے!

لہرلہرائی آگ

اگر سچائی لکھنی ہے تو پھر سچائی ہی لکھو
لکھو دِن ڈھل رہا ہے
شاہراہوں پر ٹریفک گھٹ رہی ہے
سگرٹوں کے اور بیئر کے بیچ میں نیند آ رہی ہے
ہولے ہولے
ذہن میں اِک بے خیالی میں کہا جملہ کسی کا
سرسراتی آگ بنتا جا رہا ہے
بیلچے لاؤ
کہاں پر دفن ہیں ہم
اپنی مٹی کھود کر دیکھیں!

یاد

بجلی اندر چمکی
بادل اندر گرجا
سائے
لحظہ بھر کو آئے
بھوت بنے
دِل دھڑکا!

بحرالکاہل کے ایک جزیرے کا ناشنیدہ قہقہہ

(حسین عابد، وحید احمد اور مسعود قمر کے نام)

جانے والو
کیوں آتے ہو بحرالکاہل میں گُم صُم
خشکی کے اِس تنہا ٹکڑے پر
جہاں پھُول کھلے ہیں ناخواہش کے،
نایادوں کی جنت کی مہکاریں اوڑھے!

تُم آتے ہو
اور تمھاری ہمراہی میں نئے نئے وعدوں کے پرندے
قوسِ قزح کی دھیمی لَے میں
آنے والے دِن کے نیل گگن پر
انگارہ انگارہ چھا جاتے ہیں!

بحرِ الکاہل کی خوابیدہ لہریں
لاوہ بن کر
خشکی کے اِس سبزہ زار کو آگ بنا دیتی ہیں
اور مَیں
اپنی تنہائی کی آگاہی پر شعلہ ہنستا رہ جاتا ہوں!

نظم، جو کبھی لکھی جائے گی

مَیں اِک نظم لکھوں گا لیکن سُنانے نہیں آؤں گا
وہ بہت خوبصورت، بہت چنچلی اور غنائت سے بھرپور ہوگی
مگر مَیں سُنانے نہیں آؤں گا!

نہ گرجے کی گھنٹی
نہ کلمہ شہادت
نہ تابُوت ہوگا
فقط نظم ہوگی کہ پیدائشِ مرگ پر قہقہہ زن
کہ زیر و زبر، پیش کے بیچ میں جزم ہوگی،
فقط ایک وقفہ!

نہ ہونے سے ہونے تک آنے کا لمحہ

زمانوں کی جُفتی
ستارہ جنم لے رہا ہے، لکھوں گا،
خلا میں،

زمیں سے اُدھر گاؤں گا
اپنے ہونے کے نغمے!

سُنانے نہیں آؤں گا، تم سُنو گی،
یہ کشتی، یہ ملاح،
دریا کہ اپنی روانی میں اندھا،
وہ شفاف پانی کی سطریں
تمھاری سماعت کو چُھو چُھو کے گزریں گی
لیکن مَیں تم کو بتانے نہیں آؤں گا
راز ڈُوبے ستاروں کا، جن کی کشش
تیری انگڑائی سی!

زندگی،
مَیں ترے واسطے

اُن خداؤں کی تنہائی کو بزم لکھوں گا،

جو

تیرے خوابوں کے رستوں میں مارے گئے!

خواب نیندوں کا محتاج ہوتا تو مرتا

ستاروں کی محفل،
ستاروں کی محفل میں چاند اور سورج
کا مسجُود ہوں مَیں!
مَیں اِک عکس تھا، آئنے میں، جسے اِک بدن کی بشارت ملی تھی،
زمانے،
نہ جانے مجھے کِس نے لا کر تری بھُول میں رکھ دیا ہے!

تری یاد ہوتا
ترا پھُول ہوتا، مَیں تیرے مساموں میں کِھلتا
سمندر کے ساحل پہ کھڑکی جو کُھلتی
ہوا میں مری باس ہوتی،
ترا شعر ہوتا کہ تُجھ کو رسالت ملی تھی

نئے دن کی

جِس کے سرابوں میں جنت!

صحیفے،

کہ جو میرے حصے میں آئے،

تری چمنیوں سے دُھواں بن کے اُٹھے،

فلک پر کھلے پھُول، جِن کو زمینوں پہ کھلنا تھا،

آنسو،

مری آنکھ کا تھا،

ترے راویوں میں ہویدا ہوا ہے!

یہ سیلاب، یہ زلزلے جِس قلم کی سیاہی سے لکھے گئے

اُس قلم کی قسم کھا کے کہتا ہوں:

''وہ مَیں نہیں تھا،

مرا خواب تھا

جو ترے آئنوں میں کِھلا!

خواب نیندوں کا محتاج ہوتا تو مرتا!!''

کیاری میں جنگل

کیاری میں جنگل اُگا،
فِلٹروں کا،
مری سگرٹوں کے،
سیہ کار حصے زمین میں دبے ہیں،
دُھواں نصف، تُجھ کو عطا کر دیا ہے،
کہ دُنیا
ترا ہاتھ بھی ہے،
مُجھے وہ بنانے کے سارے عمل میں،
جو مَیں ہوں،
وہ شعلے جو نِگلے ہیں مَیں نے،
وہ سب راکھ جو مَیں نے جھاڑی ہے تُجھ پر،
وہ مَیں ہوں، جو مَیں ہی نہیں بن سکا،

گو کہ جنت سے نکلا،

سگے بھائی کو مار کر اُس کو تجھ سے چُھپایا،

مسیحا بنا،

معجزے میں جِیا،

آدمی جو کہ آدم تھا، گندم کے چکر میں رُسوا ہوا،

مَیں نہیں بن سکا

مَیں کے کتبے ہیں کیاری میں جنگل نہیں ہے!

چوتھا ہو تو چار

اپنی اپنی گود
اپنا اپنا چاند
اپنے اپنے آسمان پر اپنا اپنا تخت

اپنی اپنی غار سے نکلیں،
اپنے اپنے تیر
اپنی اپنی کمان میں بھر کر کرنے چلیں شکار

چُوہے تین بھی ہوں تو ٹھیک ہے، چوتھا ہو تو چار
یعنی جسے گُمان کھا گئے
وہ بھی اپنا یار

رات بڑی ظالم ہے پیارے
رات سے مانگ پناہ
چاند پہ تیر چلا کر ہو جا
جنگل میں گُم راہ

وعدہ وعدہ، کِرچی کِرچی فرش پہ بکھرے عرش
کُوڑا گھر میں پھینک کے آ جا
باہر لوٹ چلیں
بچے ہوے دو تیر چلا کر
فلک شگاف ہنسیں!

کوئی زخم ہو، کوئی بھی خواب ہو
اکیلا نہیں، دائمی بھی نہیں

کھڑکی پر رِکن مِن

کھڑکی پر رِکن مِن، رِکن مِن، بارش اور سرد ہوا، باہر اوورکوٹ اور مفلر اور دِل میں رِکن مِن، رِکن مِن۔ دستکیں ٹھنڈے قطروں کی، ماضی کے چھٹ چکے بادلوں سے اور کوئی یاد بھی نہیں محمد سلیم الرحمٰن غصہ کیسا۔ چلے جائیں گے، وہ بھی ایک ایک کر کے، جن کے دم سے کمروں میں گرمائش ہے۔ کون کب تک کسے یاد کرے گا، ہوا چلتی رہے گی، کبھی ہولے کبھی تیز، پتوں کو چھوتی ہوئی اور زمین پر بکھر جائیں گے پتے، جو کبھی سبز تھے، درخت گنجے ہو جائیں گے۔ بعض لاشوں کے دانت ہوتے ہیں اور بعض کے نہیں۔ کیا فرق پڑتا ہے، اگر اُس کے شوہر کی ساری قوتیں اُس کے اندر مصروف ہوں یا وہ اپنی سوچوں میں گُم رہے، بارش ہوتی رہے گی، جب تک اُسے ہونا ہے، اُداسی کیا ہے، ہے بھی یا نہیں اور اگر نہیں ہے تو بھی کوئی چیز دِل پر چُنری کی طرح چھائی ہوئی ہے، دِل ...!

2

دِل کی بات چل ہی نکلی ہے تو کیوں کر ممکن ہے کہ تمھاری بات نہ ہو۔ تُم نہیں تھیں تو سُورج کے ہوتے ہوئے رستے ایک غُبار میں چھپے ہوئے لگتے تھے اور تُم ہو تو سُورج تک رستوں پر ایک غُبار کی طرح چھائی ہوئی ہو اور رستوں کا وجود سُورج اور غُبار کا مرہونِ منت نہیں ہوتا، رستوں کو پتہ ہے اور رستے اپنے راہی خود ڈھونڈتے ہیں، اگرچہ راہی خود کو چالاک یا بیوقوف یا پاگل سمجھ رہا ہوتا ہے، رستہ کہیں سے بھی شروع ہو کر کہیں بھی ختم ہو سکتا ہے، اگرچہ وہ شروع سے پہلے اور ختم کے بعد بھی ہوتا ہے، مَیں رستہ نہیں ہوں، لیکن مجھ پر یہ بے شمار قدموں کے نشان کیوں کر بنے، کیا یہ ہمیشہ سے تھے؟ مَیں نہیں جانتا، کہ دِل اور مَیں اور تُم رستوں سے بے خبر اور قدموں کے نشانوں سے بے خبر دُھلی ہوئی تختی کی طرح دُھوپ میں پڑے رہے اور پڑے رہیں گے کہ بے لفظی اپنی اصل میں ایک لفظ ہی ہے کہ صفر کی اہمیت اُس کی دریافت سے پہلے بھی اُتنی ہی تھی جتنی کہ آج ہے، اگرچہ ایک یہودی ساہوکار اور ہندو بنیے اور مسلمان سیٹھ نے اس کی قیمت کو اپنی مرضی کے تابع کر رکھا ہے، تو کیا میری اور تمھاری قدر و قیمت وال سٹریٹ کے آنسوؤں اور مسکراہٹوں سے بندھی ہوئی ہے ...!

3

تیسرے صفحے پر مَیں نے سوچا کہ مَیں کیوں اور کس کے لیے لکھ رہا ہوں؟ کاغذ اور سیاہی کے پیسے دینے پڑتے ہیں تو کیا میں فضول خرچ ہوں، میرے قاری، تُم کہیں نہیں ہو۔ تمھیں ابھی پیدا ہونا ہے لیکن کیا یہ کاغذ اور سیاہی تمھاری پیدائش کا انتظار کر سکیں گے اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تحریر بمع کاغذ کے تمھاری پیدائش تک زندہ رہنے کی سختیاں جھیل لے لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تُم تحریر تک پہنچ سکو یا اگر پہنچ سکو تو ہو سکتا ہے تُم کسی اور زبان کی کوکھ سے جنم لو کہ تحریر نہیں جانتی کون سی کوکھ حمل کی منتظر ہے اور ہر لذّت حمل بننے کی خواہش مند بھی تو نہیں ہوتی کہ لذّت برائے لذّت بھی تو خدا کی تخلیق ہے جیسے تخلیق برائے تخلیق جس کی لذّت سے فرشتے آگاہ نہیں، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرو ورنہ زمین پر فرشتے ہی فرشتے ہوتے اور میری تحریر تحریر بننے سے پہلے ہی مولانا کی کڑاہی کی سُوجی بن جاتی ...!

